جلسۂ عام

مجیب الرحمٰن شامی

سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کا خاتمہ؟

سپریم کورٹ نے اعلیٰ عدالتوں میں ججوں کے تقرر کے بارے میں جو تاریخی فیصلہ دیا، پورا ملک اس کے بارے میں بحث وتمحیص میں مصروف تھا کہ بینظیر حکومت نے اس موقع سے فائدہ اٹھالیا۔ سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کے دو ججوں کو رخصت کر دیا۔ تاثر دیا گیا کہ جیسے یہ علیحدگی سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدر آمد کا نتیجہ ہو اور یوں "مولویوں کا سانپ" بھی مر جائے اور اقتدار کی لاٹھی بھی محفوظ رہے۔ حالانکہ سپریم کورٹ کے فیصلے کی زد میں شریعت بنچ کی "ش" بھی نہیں آتی۔ نہ یہ وہاں زیر بحث آیا اور نہ اس بارے میں کوئی دور کا اشارہ بھی کیا گیا۔

جسٹس محمد تقی عثمانی اور جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کو برسوں پہلے وفاقی شرعی عدالت کا جج بنایا گیا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ علم و فضل کے پہاڑ ہیں۔ پیر کرم شاہ نے مصر میں تعلیم پائی۔ مفسر قرآن ہیں اور معاملات کو سمجھنے اور سمجھانے کا ایک خاص اسلوب رکھتے ہیں۔ تقی عثمانی حضرت مولانا محمد شفیع مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں۔ جدید و قدیم کا حسین امتزاج، معاشیات میں ایم اے کیا، قانون کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور درس نظامی بھی سبقاً سبقاً پڑھا۔ انگریزی اور عربی پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی نکتہ رس نگاہ کے اپنے پرائے سب معترف ہیں۔ ان کے تحریر کردہ فیصلے قانون کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور اپنا آپ منوا چکے ہیں۔

ان دونوں حضرات کو وفاقی شرعی عدالت سے سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ میں بھیجا گیا تھا لیکن اس "احتیاط" کے ساتھ کہ یہ ایڈہاک جج رہیں۔ کم وبیش تیرہ چودہ برس سپریم کورٹ میں گزارنے اور اپنے منصب کے تقاضے کماحقہ پورے کرنے کے باوجود وہ ایڈہاک ہی رہے۔ اسی لئے ایک نوٹیفیکشن نے ان کو سابق بنا کر واپس کر دیا اور دوسرے نوٹیفیکشن نے انہیں وفاقی شرعی عدالت سے بھی نکال باہر کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ○

جسٹس کرم شاہ ہوں یا جسٹس تقی عثمانی، دونوں میں سے کوئی بھی منصب یا عہدے کے لالچ میں مبتلا نہیں۔ جنرل ضیاء الحق منتیں کر کے انہیں لائے تھے۔ تقی صاحب کے بارے میں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے سرکاری خزانے سے ایک پیسہ بھی تنخواہ وصول نہیں کی۔ ان دونوں حضرات نے محراب اور کتاب سے اپنا رابطہ استوار رکھا۔

وفاقی شرعی عدالت کو بڑے غور و خوض اور صلاح مشورے کے بعد ملکی قوانین کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لینے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اس میں جدید قانون دانوں اور عدلیہ کے ارکان کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کو بھی داخل کیا گیا اور یوں جدید اور قدیم ایک ساتھ مل کر اپنے اپنے علم کی روشنی سے کام لینے لگے۔ اس عدالت نے کئی معرکے کے فیصلے کئے اور کئی اہم مقدمات نمٹائے۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن نے اس عدالت ہی کی سربراہی فرماتے ہوئے سود کے بارے میں فیصلہ سنایا اور ایوان اقتدار کو لرزایا۔

اس عدالت کے اختیارات کا یہ عالم کہ اگر یہ کسی قانون کے کسی حصے کو خلاف اسلام قرار دے دیتی اور چھ ماہ کے اندر اندر مرکزی یا متعلقہ صوبائی اسمبلی اسے تبدیل نہ کرتی تو قانون کا منظور کردہ حصہ خود بخود غیر قانونی ہو جاتا۔ اس طرح کئی قوانین کے کئی حصے کالعدم قرار پائے۔ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کو اسی عدالت نے اس طرح زخم لگایا کہ یہ پھر اٹھ نہ سکا۔ پاکستان بھر کی اخباری تنظیمات برسوں اس کے خلاف جدوجہد کرنے کے باوجود وہ کچھ حاصل نہ کر پائی تھیں جو وفاقی شرعی عدالت کے ایک فیصلے نے ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ہی ڈیکلریشن کا حصول آسان ہوا اور اخباری مقدمات میں انتظامی افسروں کو عدالتی فرائض ادا کرنے سے روک دیا گیا۔

اس عدالت کے معاملات میں قباحت یہ تھی کہ علماء ججوں کو ملازمت کا آئینی تحفظ حاصل نہ تھا۔ وزارت قانون ان کو آن واحد میں نکال کر رکھ سکتی تھی۔ اعلیٰ عدالتوں کے جج اس کی ججی قبول کرنے پر تیار نظر نہیں آتے تھے، اس لئے یہ لکھ کر دستور میں داخل کر دیا گیا کہ جو جج اس کا رکن مقرر کیا جائے گا، وہ انکاری ہو گا تو ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اس دفعہ کو شاید نیک نیتی ہی سے آئین کا حصہ بنایا گیا ہو لیکن استعمال نہایت بدنیتی کے ساتھ کیا گیا۔ حکمرانوں نے اسے ناپسندیدہ ججوں سے نجات حاصل کرنے کا تیر بہدف نسخہ سمجھ لیا۔ اگر خدانخواستہ جج انکار کر دیتے تو انتظامیہ خوش ہو ہو جاتی اور اگر وہ شرعی عدالت میں جا بیٹھتے تو اس پر بھی سجدہ شکر بجالایا جاتا۔ چت بھی انتظامیہ کی تھی اور پٹ بھی۔ بینظیر حکومت نے تو یہ چھری لاہور اور سندھ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس صاحبان پر بھی چلادی۔ اب سپریم کورٹ کے فیصلے نے اعلیٰ عدالتوں کے "پسندیدہ" ججوں سے نجات حاصل کرنے کا یہ چور دروازہ بند کیا ہے تو اس پر داد دی جا رہی ہے۔

جہاں تک علماء ججوں کا تعلق ہے، ان کا معاملہ جوں کا توں ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے شاید یہ سوچا ہو کہ بعد میں آنے والے اس بنیاد پر کوئی عمارت ضرور تعمیر کرلیں گے، اس لئے وہ کئی خلا چھوڑ گئے۔ اب کوئی نئی اینٹ لگانے کے بجائے بنیاد ہی کو ڈھایا جارہا ہے اور ان علمائے کرام سے عدالت کے ایوانوں کو محروم کر دیا گیا ہے، جن کا عدالتی تجربہ طویل تھا اور جن کا ہم سر ڈھونڈنے کے لئے فلک کو برسوں پھرنا پڑے گا۔

جسٹس عثمانی اور جسٹس الازہری کے بعد سپریم کورٹ کا شریعت بنچ عملاً ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اسلام کے نعرے لگانے والے اور اسلام سے سامان رزق ڈھونڈنے والے بہت سے افراد اور گروہ ایسے ہیں کہ جن کو اس پر ایک حرف احتجاج بلند کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

(بہ شکریہ روزنامہ جنگ لاہور ۲ اپریل ۱۹۹۶ء)

(بقیہ از ص ۴۶)

مقصد جس کے لئے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا یعنی نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اسلئے

ع۔۔۔۔ عنادل باغ میں بیٹھیں، نہ غافل آشیانوں میں

بلکہ شہدائے ختم نبوت کے سے جذبہ کے ساتھ ملک کو طاغوتی نظام سے بچانے اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے عملی جدوجہد کا وقت آپہنچا ہے اگر اسے غفلت میں ضائع کر دیا گیا تو پھر نوٹ کر لیجئے کہ

"ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں" وما علینا الاّ البلاغ

(بقیہ از ص ۴۷)

رہا ہے۔ گذشتہ دنوں را بن رافیل نے بھی سخت نازیبا انداز میں پاکستانی آئین پر رائے زنی کی اور مرزائیوں کی حمایت میں آواز بلند کی۔ یہ گویا طے شدہ معاملات اور مسائل کو نئے سرے سے متنازعہ بنانے کی مہم کا آغاز ہے۔

ان رہنماؤں نے کہا ہے کہ ایک سرکاری جریدے میں علانیہ کفر و ارتداد پر مبنی اس مضمون کی اشاعت سے حکومت خود قانون امتناع قادیانیت کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئی ہے۔ قادیانیوں کے لئے دعوت و تبلیغ، شعائر اسلام کا استعمال اور خود کو مسلمان کہلوانا قانوناً جرم ہے لیکن سرکاری سرپرستی میں یہی کام پورے دھڑلے سے سرانجام دیا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ پیپلز پارٹی اور قادیانیوں کی کسی خفیہ مفاہمت کا نتیجہ نہیں ہے تو حکومت کو فی الفور اپنی پوزیشن واضح کرنی چاہیئے۔ وزارت اطلاعات و نشریات میں گھسے ہوئے قادیانیوں اور مذکورہ ماہنامے کے ادارتی عملے کے خلاف قانونی کارروائی کر کے قرار واقعی سزا دینی چاہیئے۔

اس حساس اور قومی و دینی مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا ایک اہم اجلاس عنقریب لاہور میں طلب کر لیا گیا ہے تاکہ دینی جماعتوں میں فوری رابطے اور مشترکہ لائحہ عمل کو ممکن بنایا جاسکے۔